قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تنویر قیصر

قلعہ لچھمن سنگھ کے شہیدوں اور زخمیوں کی دلفگار داستان

23 مارچ ۱۹۸۷ء بروز پیر،

آج پورے پاکستان میں یوم پاکستان کی وجہ سے قومی تعطیل تھی۔ سارا دن مینار پاکستان کے زیر سایہ تمام سبزہ زاروں میں خوب گہما گہمی رہی۔ عظیم اور پرشکوہ مینار پاکستان سے ذرا پرے، سڑک پار، مسجد عالمگیر کے دامن میں بائیں جانب ابدی نیند سوئے حکیم الامت، خالق نظریۂ پاکستان حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر سرکاری حکام اور دانشور حضرات کے ساتھ ساتھ عوام کے بے شمار گروہوں نے حاضری دی اور پھولوں کے گلدستے چڑھائے۔

اب رات ہو گئی ہے۔ دن کے ہنگامے ماند پڑ گئے ہیں۔ مینار پاکستان کے اردگرد واقع تمام سبزہ زاروں پر رات نے اپنے سیاہ پر پھیلا دیے ہیں۔ صرف اٹھارہ میٹر بلند مینار پاکستان کا کلس جگمگا رہا ہے ـــــ اور اس تاریخی اور عظیم المرتبت مینار کے قریب ہی میں محلہ قلعہ لچھمن سنگھ ہے جس کے عین بازار کے فوارہ چوک میں جمعیت اہلحدیث کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔

رات کے نو بج چکے ہیں۔ فوارہ چوک میں جلسہ سننے کے لیے لوگ آہستہ آہستہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ چوک کے عین وسط میں واقع فوارہ کے چبوترہ پر اسٹیج تیار کیا گیا ہے۔ یہ گول چبوترہ تقریباً گیارہ فٹ کے رداس پر محیط ہے اور زمین سے اس کی بلندی قریباً پونے تین فٹ ہے۔ قلعہ لچھمن سنگھ کا یہ فوارہ چوک جہاں جمعیت اہلحدیث کا جلسہ ہو رہا ہے، آزادی چوک سے (شاہدرہ کی طرف جاتے ہوئے) چند منٹ کے فاصلے پر بابا چھتری والے کے مزار کے بالمقابل اندر جانے

والی شرکت پر واقع ہے۔ اس جلسے کا انتظام و انصرام اہلحدیث یوتھ فورس، راوی روڈ کی طرف سے کیا گیا ہے جس کے صدر مولانا محمد خان نجیب ہیں۔ اس جلسے کی صدارت شیخ احسان الحق کر رہے ہیں۔ جلسے کے بڑے بڑے مقررین میں علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی، مولانا عبداللہ سلیم، مولانا محمد خان نجیب، جناب قاضی عبدالقدیر خاموش، حافظ انور سدید، مولانا عبدالمتین اور جناب رانا محمد شفیق پسروری کے نام سرفہرست ہیں۔ بڑی اور مرکزی تقریر علامہ احسان الٰہی ظہیر سیکرٹری جنرل جمعیت اہلحدیث کرنے والے ہیں۔ انہی کی تقریر کو بطور خاص سننے کے لیے لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں۔

شب ساڑھے نو بجے جلسے کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز اللہ کے کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد سب سے پہلے جمعیت اہلحدیث کی اس کانفرنس میں محمد انور ساجد نے خطاب کیا انہوں نے کہا: "اہلحدیث پاکستان میں اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ لوگ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات چھوڑ کر اپنے نظریات کی بات کرنے لگے ہیں، لیکن ہم جس چیز کی دعوت دیتے ہیں، وہ کتاب و سنت ہے۔"

ان کے بعد اہلحدیث یوتھ فورس کے صدر محمد خان نجیب نے حاضرین سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا: "آج جہاں مینار پاکستان کھڑا ہے، اس جگہ جو قرارداد منظور ہوئی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس وقت کہا گیا تھا کہ اس نئی مملکت میں اسلامی نظام رائج کیا جائے گا۔ نظریۂ پاکستان کا لبِّ ہی یہ ہے کہ مسلمانانِ برصغیر جو علیحدہ ملک حاصل کریں گے اس میں اسلامی اقدار، اسلامی اصول وضوابط اور اسلامی قوانین کی بالادستی قائم ہوگی، لیکن افسوس پاکستان کو بنے ہوئے قریباً نصف صدی کا عرصہ گزر گیا ہے، لیکن اس دوران کسی نے بھی سنجیدگی اور لگن سے اسلامی نظام کو مکمل طور پر اس مملکت خداداد میں نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سب حکمران اپنا اپنا راگ الاپتے رہے ——"

مولانا محمد خان نجیب کے بعد معروف عالم دین مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی نے تقریباً پون گھنٹہ تک خطاب کیا۔ انہی کی تقریر کے دوران اہلحدیث کانفرنس کے مرکزی مقرر علامہ احسان الٰہی ظہیر جلسہ گاہ میں تشریف لائے جس وقت وہ اسٹیج پر چڑھے، اس وقت گھڑی کی سوئیاں رات کے دس بج کر چالیس منٹ کا اعلان کر رہی تھیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کی آمد سے پنڈال میں گرمجوشی پیدا ہوگئی اور فضا خاصی دیر تک اللہ اکبر کے پرجوش نعروں سے گونجتی رہی۔ جلسہ میں تشریف لانے سے پہلے علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ۱۵۰ راوی روڈ پر کچھ دیر آرام بھی کیا تھا اور کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر جس وقت جلسہ گاہ میں تشریف لائے، تکان ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ اسٹیج پر بچھائے گئے درمیانی صوفے پر بیٹھ گئے۔ اسٹیج کے صوفوں اور اور کرسیوں کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کا خطاب، علامہ احسان الٰہی کی آمد کے بعد تھوڑی دیر جاری رہا۔ ان کی تقریر کے بعد غلام حسین مخلص نے ایک مختصر سی نظم ترنم سے پڑھی۔

اور جب رات کے گیارہ بج کر پانچ منٹ پر علامہ احسان الٰہی ظہیر کا خطاب شروع ہوا تو حاضرین نے ان کی تقریر شروع ہونے سے قبل خاصے پرجوش نعرے لگائے۔ علامہ صاحب کی تقریر شروع ہوئی تو کانفرنس کی پوری کارروائی کی ویڈیو فلم بنانے والے دونوں فوٹوگرافر سلیم فاروقی اور محمد عالم، اپنے اسٹینڈوں اور کیمروں سمیت اسٹیج کے کافی نزدیک آگئے تاکہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریر کو بخوبی ویڈیو میں محفوظ و منتقل کر سکیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خطاب کا مرکزی و محوری نکتہ ملت اسلامیہ کا اتحاد تھا۔ وہ اپنی تقریر میں اسی نکتے پر بار بار زور دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم اپنے باہمی نفاق اور بے اتحادی و بے اعتمادی کو ختم کر کے ہی اپنے مذہب اور ملک و قوم کی صحیح خدمت کر سکتے ہیں اور اسی انداز میں عمل کر کے پورے عالم اسلام کو ایک بار پھر عظمتوں سے روشناس کرایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی گرجدار آواز میں کہا: "آج پاکستان ہی نہیں، بلکہ سارا عالم اسلام جن حالات سے دوچار ہے، اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد قریباً سوا ارب ہے اور مسلمان ممالک کی تعداد ۴۵ کے لگ بھگ ہے، جہاں کے حکمران مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے پاس اتنا مال و دولت ہے کہ اتنے مال کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ انفرادی طور پر

مسلمانوں کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ کبھی اتنا سرمایہ بادشاہوں کے پاس بھی نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان کے دس کروڑ مسلمان عزم کر لیں تو رب کعبہ کی قسم، ساری کائنات اُن کو ختم نہیں کر سکتی......

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریر جُوں جُوں آگے بڑھتی گئی، توں توں ان کا لہجہ بھاری بھرکم، گرجدار اور پُرجوش ہوتا گیا۔ انہیں تقریر کرتے ہوئے پورا نصف گھنٹہ گزر گیا تھا اور اُس وقت انہوں نے حکیم الامت، نباضِ فطرت حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھا: ؎

کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ

لیکن ابھی اس شعر کا دوسرا مصرعہ "مومن ہے تو بے تیغ" ہی اُن کی زبان سے نکلا تھا کہ فضا ایک زبردست اور خوفناک دھماکے سے لرز اُٹھی — پھر ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ اس تاریک اور بھیانک ماحول میں یک دم کئی جسم زمین سے فضا میں اُچھلے اور دھم سے فرشِ زمین سے آ ٹکرائے۔ فضا میں بارُود اور ہر طرف پھیل جانے والے تازہ تازہ خُون کی بُو پھیل گئی۔ فوارہ چوک کے چاروں طرف زبردست بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ اپنی اپنی جان بچانے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے۔ زخمیوں کی آہ و بکا سے فضا وہاں ایک قیامتِ صُغریٰ بپا ہو گئی۔ کسی کو کچھ سُجھائی نہ دے رہا تھا۔ ہر طرف کہرام تھا، آہ و زاری تھی، چیخیں تھیں، نالہ و شیون تھا اور تاریکی کا سیاہ خوفناک پردہ تھا۔ ارد گرد کی عمارتوں کے شیشے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئے اور مکانوں کے مکین مارے ڈر کے ہڑبڑاتے ہوئے بستروں سے باہر بھاگ دوڑے۔

⊙

جب لوگوں کے حواس ذرا بحال ہوئے اور ان کے کانوں میں طاقتور بم کے خوفناک دھماکے کی گونج کم ہوئی، تو انہوں نے آس پاس دیکھا۔ اس وقت ارد گرد کے مکین بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ دھماکہ جو ٹھیک گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر ہوا، اس کے فوری بعد وہ لوگ جو ارد گرد سے وہاں بھاگتے ہوئے آ گئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ سارا فوارہ چوک ہی آہ و بکا اور دلدوز چیخوں کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ یہ لوگ ذرا آگے بڑھے تو دیکھا کہ وہاں کئی جسم ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں اور بعض زمین پر بے سُدھ، بے خبر اور بے ہوش پڑے ہیں۔ حالات کی سنگینی اور معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر انہی لوگوں نے فوری طور پر زخمیوں اور نیم مُردہ جسموں کو رکشوں، کاروں اور ٹرالیوں وغیرہ میں لاد کر جلد از جلد شہر کے مختلف ہسپتالوں میں پہنچانا شروع کر دیا۔

بم کے اس خوفناک دھماکے کے نتیجے میں زخمی ہونیوالوں میں تین افراد تو ہسپتال تک پہنچنے سے پہلے پہلے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، جب کہ بقیہ چار ہسپتال میں جا کر انتقال کر گئے ان کے علاوہ شدید زخمی ہونے والوں میں مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی بھی شامل تھے۔ وہ بھی دوسرے روز زخموں کی مزید تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی شدید زخمی ہوئے۔ جس وقت دھماکہ ہوا اُس وقت وہ کُرسی پر بیٹھ کر تقریر کر رہے تھے۔ دھماکہ ہُوا تو اُن کی کُرسی اُچھل کر دُور فوارے کی باؤنڈری لائن کے نزدیک جا گری۔

⊙

مہلک اور نہایت طاقتور بم کے پھٹنے سے آٹھ افراد ہلاک اور نوّے سے زیادہ زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں کے نام درج ذیل ہیں:

سلیم فاروقی، محمد عالم، عبدالسلام، نوید، مولانا محمد نجیب خاں، مولانا عبدالخالق قدوسی، شیخ احسان الحق اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی۔

جمعیت اہلِ حدیث کے جلسے میں جاں بحق ہونے والوں کی اجتماعی نمازِ جنازہ ۲۴ مارچ کو تقریباً ۲ بجے مینارِ پاکستان کے وسیع و عریض سبزہ زار میں پڑھائی گئی، جس میں تیس ہزار سے زائد لوگوں نے شرکت کی۔ بہت سے نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہو سکے، کیونکہ آزادی چوک سے ہر طرف ٹریفک جام ہو گیا تھا۔ نمازِ جنازہ میں بہت سے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی۔ جن میں ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا فضل الرحمٰن، نوابزادہ نصر اللہ خاں، چودھری غلام جیلانی، جہانگیر بدر، ملک محمد قاسم، مولانا عبدالقادر روپڑی، ملک مختار اعوان وغیرہ سرِفہرست ہیں۔ یہ اجتماعی نمازِ جنازہ مولانا عبداللہ شیخوپوری نے پڑھائی۔ اجتماع میں ہر شخص کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ عورتوں کی ایک کثیر تعداد نمازِ جنازہ کے وقت، مینارِ پاکستان گراؤنڈ کے نزدیک موجود تھی۔ بعض عورتیں اور مرد دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ مولانا عبداللہ

شیخوپوری اس حادثے میں جاں بحق ہونے والوں کی دعائے مغفرت کرتے وقت زاروقطار رونے لگے۔ انہوں نے ساری دُعا آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی مسلسل لڑیوں میں مکمل کی۔ دُعا کے خاتمے پر تو اُن کی آواز بھرا ہی گئی اور وہ ہچکیاں لیتے لیتے زاروقطار رونے لگے۔

جاں بحق ہونیوالوں کے بارے میں

مولانا عبدالخالق قدوسی: ان کی عمر ۴۸ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ ۱۵۰۔ زاوی روڈ میں رہائش پذیر تھے۔ یہ مکان ان کا ذاتی نہیں تھا، بلکہ اس میں وہ اپنے بال بچوں سمیت کرائے پر رہتے تھے۔ تمام محلہ اُن کی شرافت و نجابت، دین سے لگاؤ اور سب سے بڑھ کر اُن کی صلح جو طبیعت کی وجہ سے انہیں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ علاقے کی سماجی سرگرمیوں میں بھی اکثر شریک رہتے تھے۔ قلعہ لچھمن سنگھ میں اپنی مدد آپ کے تحت بننے والے سب سے بڑے سماجی ہسپتال "احباب ہسپتال" کی تعمیر و تشکیل میں قدوسی مرحوم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اُردو بازار (لاہور) میں ان کی دینی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دُکان تھی جہاں وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے رزقِ حلال کے حصول کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اسلام سے انہیں جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ فوارہ چوک میں جب بم پھٹا، اُس وقت وہ اسٹیج پر موجود تھے۔ انہیں چہرے اور پیٹ پر زیادہ زخم آئے۔ اُن کے بڑے بیٹے کا بیان ہے: "جب میں نے اپنے ابّو کو اُٹھا کر گاڑی میں بیٹھایا تو اُس وقت اُن کے جسم سے بہنے والے خون سے میرے ہاتھ اور کپڑے یوں بھیگ گئے تھے جیسے میں خون کی ندی سے گزر کر آ رہا ہوں" اس بیان سے عیاں ہے کہ انہیں شدید زخم آئے تھے۔ ہسپتال پہنچتے پہنچتے اُن کی بینائی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ انہیں میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں فوری طور پر داخل کروایا گیا، لیکن ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود اُن کی زندگی کا شعلہ رات سوا ایک بجے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ راقم الحروف نے جب اُن کی نعش دیکھی تو اُن کا چہرہ اس قدر زخموں سے بھرا ہوا تھا، یوں لگتا تھا — جیسے گولیوں کا ایک پورا برسٹ اُن کے چہرے پر مارا گیا ہو۔

عبدالخالق قدوسی نے، خدا انہیں جنت نصیب فرمائے،

اپنے پسماندگان میں چھ بچے چھوڑے ہیں، جن میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑا بیٹا مسمی ابوبکر، عمر ساڑھے اٹھارہ سال ہے وہ بی اے کا طالب علم ہے۔ دوسرا بیٹا مسمی عمر فاروق عمر سترہ سال ہے۔ اس نے ایف ایس سی کی ہوئی ہے تیسرا بیٹا مسمی عثمان غنی عمر بارہ سال ہے۔ وہ ساتویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ چوتھا بیٹا مسمی ابوالحسن علی عمر ۹ سال ہے وہ جماعت چہارم میں زیرِ تعلیم ہے۔ ان کے علاوہ بیٹیوں میں سب سے بڑی بیٹی کی شادی ۲۴ اپریل کو ہونے والی تھی، لیکن باپ کی اچانک اور اندوہناک موت کی وجہ سے تو اب سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے، اس لیے گھر والوں نے شادی کا پروگرام فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ بڑی بیٹی کے علاوہ چھوٹی بیٹی عائشہ ہے۔ وہ نویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ راقم الحروف نے جب قدوسی مرحوم کے بڑے بیٹے سے پوچھا کہ اب آن کا ذریعہ معاش کیا ہو گا، تو وہ بولا: "اب میں دکان پر بیٹھا کروں اور میری غیر حاضری میں چھوٹا بھائی بیٹھا کرے گا، کیونکہ گھر کی گاڑی کو چلانے کا ذمہ اب ہمارے سر پر آ پڑا ہے۔" اس سوال کے جواب میں کہ آیا وہ بی۔ اے کا امتحان دے گا، ابوبکر بولا: "ضرور دوں گا لیکن آگے شاید نہ پڑھ سکوں۔"

اب ان بچوں کا مستقبل نہ جانے کیا ہو، یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن انہوں نے تعلیم کے پیشِ نظر مستقبل کے بارے میں جو جو منصوبے بنائے ہوں گے، جو جو خواب دیکھے ہوں گے۔ کیا اب وہ بکھر جائیں گے؟؟

شیخ احسان الحق: قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ (لاہور) کے فوارہ چوک میں جو اہلحدیث کانفرنس ہوئی، یہ شیخ احسان الحق کی زیرِ صدارت ہی ہو رہی تھی۔ ۱۱ — ۲۵ پر جب بم پھٹا تو اُس وقت وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے عقب میں رکھے گئے صوفوں پر بیٹھے تقریر سُن رہے تھے۔ انہیں بم کے اس دھماکے میں سب سے زیادہ زخم پیٹ، کولہوں اور چہرے پر آئے تھے۔ بلکہ اُن کے ایک رشتہ دار کے بیان کے مطابق: "جسم کا کوئی حصہ زخموں سے نہیں بچا تھا میں نے انہیں خود غسل دیا ہے۔ مجھے تو سارا جسم ہی زخموں سے چُور چُور نظر آیا۔"

شیخ احسان الحق ولد پیر محمد نئی سبزی منڈی کے عقب میں گلی نمبر ۵۲، مکان نمبر ۲ توحید آباد میں رہتے تھے —

جمعیت اہلحدیث کے زبردست کارکن تھے۔ نماز کے پابند اور مذہب کے والا و شیدا۔ اہلحدیث کی لاہور اور ارد گرد میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور جلسوں، تقریباً وہ سب میں شریک ہوتے اور پیش پیش رہتے تھے۔ اُن کا پرانی کی سیکنڈ ہینڈ تختی نما لکڑیوں کا کاروبار تھا۔ عمر بھی کوئی ۶۲ سال کے لگ بھگ تھی۔ بم کے دھماکے میں زخمی ہونے والے دوسرے افراد کے ساتھ شیخ احسان کو بھی میو ہسپتال لے جایا گیا تھا لیکن وہ تمام تر طبی سہولتوں کے ملنے کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔ اسی رات وہ سحری کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

سلیم فاروقی اور محمد عالم، سلیم فاروقی پیشے کے اعتبار سے فوٹوگرافر تھا۔ اس کی تعلقہ لچھمن سنگھ ہی کے مین بازار کے فوارہ چوک کے مشرقی جانب مارکیٹ میں ڈاکٹر امان اللہ کے کلینک کے ساتھ اپنی دکان تھی۔ فوٹوگرافی کے ساتھ ساتھ اب اُس نے ویڈیو فوٹوگرافی کا کام بھی شروع کر لیا تھا۔ شادی بیاہ اور جلسے جلوسوں کی تقریبات کی ویڈیو فلمیں بنانے میں وہ اچھی خاصی شہرت کا مالک تھا۔ وقوعہ کی شب اُسے جمعیت اہلحدیث کے جلسہ کی کارروائی کی ویڈیو فلم بنانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ سلیم فاروقی اس رات ۲۳ مارچ اپنی مدد کے لیے اپنے برادر نسبتی محمد عالم ولد عبدالغنی کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ جائے دھماکہ سے دو صرف چار فٹ کے فاصلے پر فلم بنا رہے تھے۔ بم نے ان دونوں کے پرخچے اڑا دیے۔ سب سے پہلے انہی دونوں بدقسمتوں کا انتقال ہوا۔ مہلک بم نے ان کے جسموں کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ سلیم فاروقی وقوعہ کے علاقے ہی میں شاد جہان روڈ پر رہتا تھا۔ وہ شادی شدہ تھا اور اس کے چھ بچے بھی ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی ہے جس کی عمر ۱۲ سال ہے۔ سلیم مرحوم کی عمر ۳۲ سال تھی۔ اب اس کے ننھے ننھے بچوں کا وارث کون ہوگا؟؟
محمد عالم مومنی روڈ پر رہتا تھا۔

مولانا محمد خاں نجیب، صوبہ پنجاب میں جمعیت اہلحدیث کے زبردست اور متحرک کارکنان میں مولانا محمد خاں نجیب کا نام سرفہرست تھا۔ ابھی وہ بالکل نوجوان تھا۔ ان کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔ مولانا نجیب اہلحدیث یوتھ فورس کے سربراہ تھے۔ وہ ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے، جو اپنی جان پر اپنی تحریک اور تنظیم کے مقاصد کو ترجیح دیتے ہیں۔ بم کے دھماکے میں ان کے سر میں گہرے زخم آئے تھے اور دماغ میں بم کی زہریلی کرچیاں پھنس کر رہ گئی تھیں۔ یہی کرچیاں ان کی موت کا سبب بن گئیں۔ ان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا۔ اجتماعی جنازہ کے بعد جب ان کی نعش سیالکوٹ پہنچی تو نوجوان دھاڑیں مار مار کر رو دیئے۔ جمعیت اہل حدیث کے علاوہ دوسری دینی تنظیموں کے افراد کی آنکھیں بھی نوجوان نجیب کی بے وقت اور اندوہناک موت پر اشکبار تھیں۔

نوید عرف پپو ولد عبدالرحمن، نوید اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ حجام تھا۔ توحید آباد کی گلی نمبر ۴ میں اس کا چھوٹا سا حجام تھا۔ اس کی عمر تقریباً ۱۹ سال تھی۔ وہ روزانہ بیگم کوٹ سے توحید آباد آتا تھا۔ سارے گھر کی معاشی ذمہ داری اسی کے سر پر تھی لیکن موت کے آہنی پنجوں نے صرف نوید ہی کا گلا نہیں گھونٹا، بلکہ اس کے والدین اور گھر کے دوسرے افراد کو بھی زندہ درگور کر دیا۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ بم رکھنے والے نے خواہ وہ فرد واحد تھا، خواہ اس عمل کے پیچھے کسی پورے گروہ یا تنظیم کا ہاتھ ہو، کن کن غریب گھرانوں کے روشن چراغوں کو پل بھر میں گل کر دیا۔ شقی القلبی اور انسانیت دشمنی کی اس سے لرزہ خیز مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

مولانا حبیب الرحمن یزدانی

قصبہ کامونکی کے معروف عالم دین زبردست و بے مثل مقرر اور نڈر دینی رہنما مولانا حبیب الرحمن یزدانی کو بم کے دھماکے میں نہایت گہرے زخم آئے۔ انہوں نے مذکورہ جلسہ میں پون گھنٹہ بڑی معرکۃ الآرا تقریر کی تھی۔ جس وقت علامہ احسان الٰہی ظہیر کرسی پر بیٹھے تقریر کر رہے تھے، مولانا حبیب الرحمن یزدانی (جنہیں اب مرحوم لکھتے وقت دل کانپتا ہے) علامہ صاحب کے عین پشت میں بیٹھے تھے۔ بم کے دھماکے میں جب علامہ صاحب بمعہ اپنی کرسی کے دور جا گرے، اُن کے سر، منہ، پیٹ میں گہرے زخم آئے تھے۔ ہسپتال تک پہنچتے پہنچتے ان کے جسم کا نصف سے زائد خون بالکل نچڑ گیا تھا۔ انہیں ہسپتال میں خاصا خون دیا گیا جس سے اُن کی زندگی میں چند گھنٹے کا اضافہ تو ہو گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے اور بالآخر اپنے رب سے جا ملے جس کی خوشنودی اور اطاعت

کی علاوہ، تقریباً بیس پچیس برس مسلسل دین کی خدمت میں جُٹے ہوئے تھے۔ منگل کی شب ان کی نعش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا۔ اسی رات پچھلے پہر ان کی میت پولیس سے حاصل کر کے کامونکی روانہ کر دی گئی۔ بدھ ۲۵، مارچ کے روز انہیں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں کامونکی کے ملٹری گراؤنڈ قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کامونکی کی گراؤنڈ میں جمعیتِ اہلِ حدیث کے امیر مولانا محمد عبداللہ نے پڑھائی۔ نمازِ جنازہ کے بعد مشتعل ہجوم کی وجہ سے جی ٹی روڈ پر ٹریفک کا سلسلہ معطل ہو گیا اور کچھ توڑ پھوڑ بھی کی گئی۔

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی مرحوم کی عمر تقریباً ۴۰ برس تھی۔ وہ کامونکی کی مرکزی جامع مسجد اہلِ حدیث کے خطیب تھے۔ اس کے علاوہ وہ جمعیتِ اہلِ حدیث کے نائب ناظمِ اعلیٰ تھے۔ مرحوم نے پسماندگان میں ۷ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ رانا اکرام کی بیٹھک (۵۰ راوی روڈ) میں مولانا عبداللہ شیخوپوری اور ان کے ساتھیوں نے راقم الحروف کو بتایا کہ مولانا یزدانی کا ایک بیٹا بھی تھا لیکن بعض نامعلوم دشمنوں نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ یاد رہے کہ چند سال قبل مولانا یزدانی پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں جمعیتِ علماء پاکستان کے ایک سابق صوبائی صدر کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کو ملوث کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھ ہمیشہ مسلح باڈی گارڈز رکھتے تھے۔ ان کے باڈی گارڈوں میں محمد انور تو ہمیشہ اُن کے ہمراہ رہتا تھا۔

آہ! اصل موت تو زندوں کو بھگتنا پڑتی ہے۔ مرنے والا تو مر کر تمام ہو جاتا ہے، تمام احساس و شعور کے ساتھ لیکن اُسے قبر میں جا کر کون بتائے کہ اس کے پیچھے کس کس کی آنکھوں میں آگ جلی، کس کس کے سینے سے دُھواں اُٹھا۔ یہ تو موت سے بھی بڑی اذیت ہے ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

وہ جن کی آنکھوں کی شمعیں ہمیشہ کیلئے گل ہوگئیں

قلعہ لچھمن سنگھ کے فوارہ چوک میں پھٹنے والے ہلاکت خیز بم کے نتیجے میں جہاں آٹھ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، ایک صد کے قریب زخمی ہوئے ——— وہاں چند ایسے بدقسمت بھی تھے، جو اس حادثے میں زندہ درگور ہو گئے۔ ظالموں نے ان کی آنکھوں کا نور چھین لیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے دوسروں کا محتاج اور دست نگر بنا دیا۔ قلعہ لچھمن سنگھ کے اس سنگین حادثے میں جن لوگوں کی بینائی کو شدید ضعف پہنچا، ان کی تعداد کم از کم دس ہے۔ ان میں چار ایسے بدنصیب ہیں جن کی دونوں آنکھوں کے دیے ہمیشہ کے لیے بجھ گئے ہیں۔ بقیہ افراد کو خدا نے مستقل اندھا ہونے سے تو بچا لیا لیکن ان کی بینائی اس حادثے میں خطرناک حد تک متاثر ہوئی۔

وہ چار بدقسمت جن کی دونوں آنکھوں کا نور ضائع ہو گیا۔ ان میں سے ایک کا نام رانا محمد فاروق ہے جس کی رہائش ۵۰ راوی روڈ پر ہے۔ اس کی عمر ۲۸ سال ہے۔ وہ کارپوریشن کی ٹھیکیداری کرتا تھا۔ ۲۳ مارچ کو جو جلسہ ہوا، اس کے انتظامات و انصرام میں محمد فاروق بھی برابر کا شریک تھا۔ رانا محمد فاروق کے گھر ہی سے وہ صوفے لے جایا گیا تھا، جو جلسہ گاہ میں اسٹیج پر مہمانانِ خصوصی، مقررین اور صاحب صدر کے لیے بچھایا گیا تھا۔ راقم الحروف نے وہ صوفہ بھی دیکھا جس کے حادثے میں کچھ حصے ٹوٹ گئے تھے اور بڑے صوفے پر خون کے ان بڑے بڑے اور واضح دھبوں کو بھی دیکھا، جو بم کے پھٹنے سے زخمیوں کے خون سے لال گوں ہو گیا تھا۔ صوفے کی گدیاں، جو شدید زخمیوں کے خون سے بھیگ گئی تھیں، کیونکہ بم اس کے نزدیک ہی پھٹا تھا، کو بعد میں پولیس نے اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔

رانا محمد فاروق کے والد رانا محمد اکرام ڈسٹرکٹ ہائیکورٹ میں وکالت کرتے ہیں۔ جب ان سے ان کے بیٹے کے زخمی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ بولے: "جمعیت اہلحدیث کانفرنس کی تیاری، اسٹیج لگانے اور دریاں قناتیں بچھانے میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ میرا بیٹا بھی برابر کا شریک تھا۔ مولانا عبدالخالق قدوسی (جو اس حادثے میں جاں بحق ہو گئے) میرے بہنوئی تھے۔ ان کے لڑکے بھی اس جلسے کی تیاری میں پیش پیش تھے۔ میں جلسہ کی کارروائی دوسرے عام سامعین کی طرح ذرا دُور ہٹ کر دیکھ اور سُن رہا تھا۔ میں سٹیج پر نہیں جا سکتا تھا، کیونکہ میں پیپلز پارٹی کا کارکن بھی ہوں۔ محض اس جلسے میں بچوں کی دلجوئی کے لیے آ گیا تھا ساڑھے گیارہ بجے جب مولانا احسان الٰہی ظہیر تقریر کرتے

تقریباً نصف گھنٹہ گزر چکا تھا۔ مجمع میں سے ایک گلدان پھولوں سمیت، جو پیتل کا تھا اور تقریباً ڈیڑھ فٹ کے ریڈیس میں تھا، لوگوں کے ہاتھوں میں سے ہوتا ہوا اسٹیج تک پہنچا۔ آخر میں اس گلدان کو میرے بیٹے نے، جو سٹیج پر علامہ ظہیر صاحب کے نزدیک بیٹھا تھا، نیچے قالین پر ہی رکھ دیا، کیونکہ میز کو علامہ صاحب کے آگے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ یہ گلدان قالین پر میرے بیٹے اور علامہ صاحب کے درمیان پڑا تھا کہ پانچ منٹ بعد گیارہ بج کر ۲۵ منٹ پر ایک زبردست دھماکہ ہوا ___ اور پھر ہر طرف تاریکی چھا گئی اور آہوں، چیخوں کا کہرام مچ گیا اور مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ میرے خیال میں گلدان کا سٹیج تک پہنچانا ان مجرموں، جو ابھی تک روپوش ہیں، اپنے ساتھیوں یا ساتھی کے لیے ایک پیغام تھا کہ اب تم اپنا کام کر گزرو۔ پھر بم پھٹا۔ لوگوں کے حواس مجتمع ہوئے تو ہم سب نے زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا۔ زخمیوں میں سے ایک تو میرے اپنے بہنوئی تھے (مولانا عبدالخالق قدوسی) جو بعد میں اسی رات ۱½ بجے انتقال کر گئے۔ اور دوسرا میرا بیٹا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے زخم آئے تھے۔ اور بم کی کرچیاں آنکھوں میں چبھ گئی تھیں۔ ایک آنکھ تو ڈاکٹروں نے فوری طور پر نکال دی تھی۔ کیونکہ اس سے دماغ کو خطرہ تھا۔ دوسری آنکھ کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ ڈاکٹروں نے اس آنکھ کی بحالی کا آپریشن کیا۔ انہوں نے اپنا سارا زور لگایا، لیکن کوشش کے باوجود یہ آپریشن ناکام ہو گیا اور میرے بیٹے کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی ظالموں نے میرے جوان بیٹے کی زندگی برباد کر دی۔" یہ بیان دیتے ہوئے رانا اکرام کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ اس حادثے میں ان کی بہن بیوہ ہو گئی۔ ان کے بھانجے، بھانجیاں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئیں اور ان پر یتیمی کی مہر ثبت ہو گئی اور ___ ان کا جوان بیٹا دونوں آنکھوں سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لیے دوسروں کا محتاج ہو گیا۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا ان ظالم ہاتھوں کو جنہوں نے کئی گھروں کی خوشیاں برباد کر دیں، کبھی بے نقاب نہیں کیا جائے گا؟؟ یہ مظلوم اور مقہور لوگ حکومت پاکستان سے انصاف کے طلبگار ہیں ___!

رانا اکرام کے مطابق: اس حادثے میں ہمیں ادھر اتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ادھر پولیس ہمیں بار بار تنگ کرتی رہی۔ میرے بھانجوں کو بار بار پولیس اسٹیشن بلا کر منفی انداز میں پوچھ گچھ کرتی رہی کہ بتاؤ، وہ کون آدمی تھا جس نے تم لوگوں کو گلدان تھمایا تھا۔ کیونکہ آخر میں میرے بیٹے ہی نے گلدان پکڑ کر اپنے قریب رکھ لیا تھا۔ بھلا اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس برتن میں میری موت چھپی ہے، وہ اس کے نزدیک بیٹھنے کا خطرہ مول لے گا؟؟

اصل ٹارگٹ

قلعہ لچھمن سنگھ کے فوارہ چوک میں جس خوفناک بم کا دھماکہ ہوا، وہ جس وقت پھٹا، اس وقت علامہ احسان الٰہی ظہیر تقریر کر رہے تھے۔ اندازہ ہے کہ بم نہایت چھوٹا، جدید ترین اور اس کا دھماکہ مصالحہ بہت طاقتور اور مہلک تھا۔ جائے وقوعہ کا گہری نظر سے جائزہ لینے کے بعد عام آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جس تنظیم یا گروہ یا فرد واحد کی ظالمانہ کارستانی تھی، وہ اس فن کا ماہر تھا۔ اس نے اس چابکدستی سے وہاں بم نصب کیا تھا کہ کسی کو کانوں کان تک خبر نہ ہو سکی۔ گیارہ بج کر ۲۵ منٹ پر جب بم کا زبردست دھماکہ ہوا، اس وقت علامہ صاحب کرسی پر بیٹھ کر خطاب کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بم رکھنے کا اصل مقصد بلکہ اس تخریبی اور ظالمانہ کارروائی کا اصل ٹارگٹ علامہ احسان الٰہی ظہیر ہی تھے۔ انہیں ختم کرنے کی یہ گھناؤنی چال چلی گئی تھی۔

علامہ صاحب اس دھماکے کے نتیجے میں شدید زخمی ہو گئے۔ ان کا نصف سے زائد جسم زخموں سے چُور تھا۔ بم چونکہ ان کی بائیں ٹانگ کے قریب پھٹا تھا، اس لیے ان کے جسم کے بائیں حصے کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ گھٹنے سے ٹخنے تک کی ہڈی دو جگہ سے بالکل ٹوٹ گئی اور وہاں کا گوشت بھی اُڑ گیا۔ بائیں ران کی ہڈی کے دونوں طرف گوشت بُری طرح پھٹ گیا۔ ہڈی بچ گئی۔ بائیں کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور گوشت بھی جل گیا۔ بائیں کلائی سے اوپر کا بازو کولہے سے اوپر بائیں جانب کا گوشت اُڑ گیا۔ اوپر بائیں چھاتی پر بھی زخم آئے اور جلد بُری طرح جھلس گئی آنکھ میں بم کا ذرہ دھنس گیا۔ دایاں بازو بھی بُری طرح زخمی ہوا۔ ۲۳ مارچ کی رات ان کی حالت نازک تھی، خون جسم سے بہت زیادہ بہ گیا تھا۔ اسی رات ان کا میو ہسپتال میں

آپریشن کیا گیا، جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ میو ہسپتال میں ڈاکٹروں اور سرجنوں کی پوری ٹیم ان کی جان بچانے کے لیے کوشاں رہی۔ ان کا آپریشن پروفیسر اعجاز احسن اور رجسٹرار اعجاز چیمہ نے کیا۔ ڈاکٹروں نے جلا ہوا گوشت ان کے جسم سے الگ کر دیا تھا۔ صبح سوا چار بجے جب علامہ صاحب کو آپریشن تھیٹر سے باہر لایا گیا اور ایمرجنسی وارڈ میں بستر پر لٹایا گیا، تب انہوں نے نیم بے ہوشی کے عالم میں زور سے کہا کہ ان کا پیشاب رک رہا ہے اور انہیں ٹانگ میں تکلیف ہے۔ ڈاکٹروں نے انہیں حوصلہ دلایا اور اس کے بعد انہیں پھر سلا دیا گیا۔ ۲۴ مارچ کی رات ڈاکٹروں نے علامہ صاحب کی ٹانگ کے شدید زخمی ہونے کی وجہ سے فیصلہ کیا تھا کہ ان کی ٹانگ جسم سے علیحدہ کر دی جائے کیونکہ زہر کے پورے جسم میں سرایت کر جانے کا اندیشہ تھا لیکن علامہ صاحب نے سختی سے منع کر دیا۔

اس حادثے کے دوران علامہ احسان الٰہی ظہیر نے جس طرح اپنے آپ پر قابو رکھا، اپنے حواس بحال رکھنے کی بے مثل جرأت کا مظاہرہ کیا، اُسے دیکھتے ہوئے انسانی ذہن دنگ رہ جاتا ہے۔ ۲۵ مارچ کو ان کی طبیعت ذرا بحال تھی اور وہ پورے ہوش میں تھے۔ اس دن انہوں نے اس حادثے کے بارے میں اخبار نویسوں سے باتیں بھی کیں۔

۲۶ مارچ کو ان کی طبیعت پہلے سے ذرا بہتر تھی لیکن انہیں بخار بدستور تھا جس کی وجہ سے ان پر غنودگی کی کیفیت بار بار طاری ہو جاتی تھی۔ زخموں سے خون کا رسنا قطعی بند نہیں ہوا تھا۔ علامہ صاحب کی ٹانگ کو اگرچہ خطرے سے باہر قرار دے دیا گیا تھا لیکن ٹانگ کی ڈریسنگ کرتے ہوئے ڈاکٹروں کے مطابق ابھی خدشات موجود تھے کیونکہ خون تو بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ۲۶ مارچ کی شام تک انہیں تقریباً اٹھارہ بوتلیں خون دیا جا چکا تھا۔ اس روز کا سورج غروب ہونے تک ان کی طبیعت جب بھی بحال ہوئی، وہ عیادت کے لیے آئے ہوئے لوگوں سے باتیں کرتے اور بعض سے مصافحہ بھی کرتے۔ جبکہ اگرچہ ان کی باتوں میں وہ بے مثل گھن گرج اور ان کے دست پنجے میں وہ پہلے والی مضبوط گرفت نہیں تھی۔ لیکن اس قدر شدید زخمی ہونے کے باوجود ان کا عیادت کرنے والوں سے اس انداز میں باتیں کرنا اور ان کے بیشتر سوالات کا جواب دینا بڑی غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ تھا لیکن اس دوران وہ خوراک بہت کم کھا رہے تھے۔ کیونکہ معدہ اندرونی بخار اور زخموں کی وجہ سے کوئی چیز قبول نہیں کر رہا تھا۔ اس روز دوپہر کو انہوں نے صرف چند بسکٹ کھائے تھے۔ امرتسر وارڈ کے ہاؤس سرجن ڈاکٹر خواجہ نامر نے ۲۶ مارچ کی شام کو علامہ صاحب کی نبض کی رفتار اور خون کے دباؤ کو تسلی بخش قرار دیا تھا۔

۲۷ مارچ کا دن خیریت سے گزر گیا۔ اس دن علامہ صاحب کی طبیعت پہلے چار روز کی نسبت زیادہ اطمینان بخش رہی۔ زخموں سے خون تو رس رہا تھا لیکن ان کے درد اور بہاؤ میں خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔ سارا لاہور ہی نہیں، بلکہ پورا پاکستان ان کی صحت کے لیے دعائیں کر رہا تھا۔

۲۸ مارچ کو میو ہسپتال کے معروف سرجنوں جن میں ڈاکٹر اعجاز احسن ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر شمیم اور میڈیکل سپرنٹنڈنٹ میو ہسپتال ڈاکٹر اعجاز الحسن سر فہرست ہیں، نے ان کی ٹانگ کی نئی ڈریسنگ کرنے کے لیے پٹی اُتار کر ابھی نہایت احتیاط سے اس آپریشن کا آغاز ہی کر رہے تھے کہ اچانک علامہ صاحب کی طبیعت بہت خطرناک حد تک بگڑ گئی، جس کی وجہ سے تمام سرجن بھی پریشان ہو گئے۔ اسی اثنا میں سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد کی طرف سے حکومتِ پاکستان کو یہ پیش کش ہوئی کہ علامہ صاحب کو سعودی عرب بھیج دیا جائے تاکہ ان کا وہاں جدید ترین ہسپتال میں غیر ملکی اور مقامی ماہرین کی نگرانی میں علاج کیا جا سکے۔ اس پیش کش کے پیشِ نظر ڈاکٹروں کی پوری ٹیم نے بھی فیصلہ کر لیا کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کو سعودیہ روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اُسی روز فی الفور کراچی سے ایک سپیشل اسٹریچر منگوایا گیا اور اس سلسلہ کی تمام رکاوٹوں کو وزیر اعظم جونیجو کی ذاتی مداخلت سے دور کرنے کے بعد ان کی روانگی کے لیے ہنگامی بنیادوں پر تیاریاں کی گئیں۔

۲۸ مارچ کی شام ہونے تک علامہ صاحب کو ۲۴ بوتلیں خون کی دی جا چکی تھیں۔ رات ساڑھے تین بجے انہیں لاہور ایئرپورٹ پر پہنچا دیا گیا۔ علامہ صاحب کو ایئرپورٹ لے جانے کے لیے ایمبولینس میں آکسیجن کے سلنڈر اور دیگر سامان کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اپنے ہمراہ خون کی آٹھ

اضافی بوتلیں ہنگامی صورت حال سے نپٹنے کے لیے ساتھ رکھ لی تھیں۔ ان کے ساتھ پاکستان سے جو ڈاکٹر گئے ان میں میو ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر اعجاز الحسن، ڈاکٹر اعجاز احمد چیمہ، ڈاکٹر اشفاق احمد اور ڈاکٹر گیلانی شامل تھے۔ ان کے علاوہ دیکھ بھال کے لیے ساتھ دو نرسیں بھی تھیں۔

علامہ صاحب کے ہمراہ اُن کے والدِ گرامی شیخ ظہور الٰہی اُن کے دو عزیز خالد محمود اور ڈاکٹر اکرام بھی گئے تھے۔ علی الصبح ۴ بج کر ۲۷ منٹ پر طیارہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کو لے کر سعودی عرب روانہ ہو گیا۔

۲۹ مارچ کو سعودی عرب پہنچتے ہی علامہ احسان الٰہی ظہیر کو ریاض کے جدید ترین ملٹری ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ان کے اعلیٰ ترین علاج کے لیے فوری طور پر دُنیا کے بلند پایہ ڈاکٹروں کو جن میں امریکی ڈاکٹر بھی شامل تھے، مامور کر دیا گیا۔ اُن کے علاج میں ایسی دوائیاں استعمال کی جانے لگیں، جس سے ان کے جسم میں بارُود کے زہریلے اثرات کو جلد از جلد ختم کیا جا سکے۔ ان کے جسم کا چالیس فی صد حصہ زخموں کی وجہ سے کھل چکا تھا اور جسم میں انفیکشن کے اثرات بھی پھیل رہے تھے اس لیے ان اثرات کو روکنے کے لیے بھرپُور کوششیں کی جانے لگیں۔

۳۰ اور ۳۱ مارچ کی درمیانی شب سعودی، امریکی اور پاکستانی ڈاکٹروں کی موجودگی میں ان کی بائیں ٹانگ کو آپریشن کرتے وقت کاٹ دیا گیا لیکن علامہ صاحب کی بگڑی ہوئی حالت میں قطعی کوئی فرق نہ آیا، کیونکہ ان کی شدید زخمی ٹانگ سے زہریلا مواد ان کے سارے جسم میں پھیل گیا تھا۔ اس مہلک انفیکشن کو روکنے کے لیے جتنے بھی جدید آلات اور ادویات تھیں، استعمال کی گئیں لیکن موت کے طاقتور ہاتھوں نے حضرتِ انسان کی تمام کوششوں، آلات اور ادویات کے محتاط حربوں کو ناکام کر کے رکھ دیا ——— اور یوں اس عالمِ بے بسی میں عالمِ اسلام کا بلند پایہ محقق، مفکر، ممتاز عالمِ دین اور نامور سیاستدان اپنے خالقِ حقیقی سے ہم آغوش ہو گیا۔ بے شک ہر ذی رُوح کو اپنے اللہ ہی کی طرف مراجعت کرنا ہے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے، خدا انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین) اپنے سوگواروں میں ان گنت معتقدین اور شیدائیوں کے علاوہ والدین، بیوہ، بہن بھائیوں کے علاوہ بچے بھی چھوڑے ہیں، جن میں پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ابتسام، احتشام اور معتشم شامل ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم کو جنت البقیع میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ فیصلہ ان کے والد شیخ ظہور الٰہی نے کیا تھا۔ اس فیصلے کی تائید بعد میں فون پر علامہ مرحوم کی بیوہ اور بچوں نے بھی کر دی۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی نمازِ جنازہ سعودی عرب کے نامور عالمِ دین شیخ عبدالعزیز بن باز نے پڑھائی۔ شیخ بن باز مدینہ یونیورسٹی میں علامہ مرحوم کے اُستاد بھی رہ چکے ہیں۔

اور یُوں وہ دُعا پوری ہو گئی، جو علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ۱۹۸۵ء میں کی تھی۔ علامہ مرحوم نے حج کے دوران میدانِ عرفات میں پیر محمد اشرف، جسٹس ریٹائرڈ محمد افضل چیمہ اور اپنے بیٹے ابتسام کی موجودگی میں دُعا کی تھی: "یا اللہ! میں تیرے حضور دُعا کرتا ہوں، میری تمام اولاد کو حج کرنے کی سعادت عطا فرما۔ میرے اللہ! میں جب اس دُنیائے فانی سے دنیائے باقی کی طرف کُوچ کروں تو میں اسی سرزمین سے جاؤں۔ ۔ ۔ رب کریم و رحیم! تو دلوں کے حال جانتا ہے، اور میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہے کہ میں مرنے کے بعد تیری اسی پاک و مقدس سرزمین میں دفن ہوں۔"

زہے نصیب! اسلام کی خدمت کرتے ہوئے انہیں جو شہادت نصیب ہوئی، ایسی سعادت کم لوگوں کے حصے میں آیا کرتی ہے، جب انسان کا دل اور زبان دونوں اللہ کے دین کی تبلیغ اور ترویج میں مصروف ہوں اور سونے پر سہاگہ یہ کہ ایک شہادت اور اُوپر سے جنت البقیع میں دفن ہونے کا بلند ترین اعزاز۔

بے شک اللہ ہی عزتیں، رفعتیں، سعادتیں اور یہ بلند پایہ درجات عطا فرمانے والا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ذلت کی پستیوں میں گرا دیتا ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ اس کے سامنے ایک پل کے لیے بھی دم مار سکے۔

(بشکریہ قومی ڈائجسٹ)